علماء کرام کو انہی دو سوالات پر غور کرکے کوئی فیصلہ دینا چاہیے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

درود کی حقیقت

سوال۔ گزشتہ اگست میں رسالہ ترجمان القرآن کے مطالعہ کا شوق چرایا۔ وجہ تحرک یہ ہوئی کہ میں دو تین سال سے طلوع اسلام کے مسلک کا ہمنوا تھا۔ وہاں کچھ ایسے راز سربستہ پائے گئے جن کے انکشاف دینی نظریے کے لیے ازبس تھے۔ میں چاہتا تھا کہ یک طرفہ بیانات پر کسی بھی نظریے کو منسلک نہ کروں۔ الا یہ کہ فریق ثانی کے دلائل نہ سنے جائیں۔ رسالہ باقاعدہ آتا رہا اور میں اس کے مطالعہ سے ایک گونہ تسکین پاتا رہا۔ ہاں، ہاں! آپ "درود" پر میری تشفی فرمائیں کہ "اللہ اور اس کے ملائکہ رسول مدنی پر درود بھیجتے ہیں، مسلمانو! تم بھی رسول اللہ پر درود بھیجو" تو اس کا عملی پہلو بہر جا کیا مراد ہوتا ہے؟ خدا کے درود بھیجنے سے کیا، اور امت کے درود بھیجنے میں کیا کیا فرق ہیں اور درود ہے کیا چیز! یہ کوئی الفاظ کی گردان ہے یا یہ کہ عقیدت ہے، یا کوئی اور مادی یا روحانی شے ہے؟ دینی لحاظ سے میری تشفی کی جائے۔"

جواب:۔ اہم سے اہم چیز کا جب "مذاق" اڑایا جانے لگتا ہے تو سب سے پہلے اس کا ذہنی وقار مجروح ہوتا ہے اور اسے اختیار کرنے والا آدمی احساس کہتری کی زد پر آجاتا ہے۔ اس کے بعد اسے اس چیز کی مقبولیت میں شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناظرہ باز اور فتنہ پسند حضرات کبھی اس پر اکتفا نہیں کرتے کہ وہ سائنٹفک اور علمی طریق پر کسی نظریے یا تصور کے بارے میں سنجیدہ بحث کریں، وہ بازاری انداز سے تضحیک و استہزاء کا پورا پورا حملہ کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ دلائل لڑاتے ہیں۔ یہی روش امور دینیہ کے بارے میں نیاز فتح پوری صاحب کی تھی اور یہی اب نئے پاکستانی "نیازوں" کی ہے۔ یہ دینی حقائق اور قرآنی معارف بیان کرنے سے پہلے ستر مرتبہ قدیم و جدید علمائے حق کو "ملا" اور "ملاذہن ملا" کی گالی دیں گے، پھر جس مسئلے کو چھیڑیں گے اس پر "ملائی سازش" اور

"عجمی فتنے" کی پھبتیاں کسیں گے، اور اس طرح کے پے درپے حملوں سے مخاطب کے ذہن کو پریشان کرتے ہوئے دلیل بازی فرمائیں گے۔ ٹھیک اسی طرح درود پر بھی "الفاظ کی گردان" جیسے بازاری فقرے چُست کر کے جب ایک مرتبہ اس شعارِ دینی کے وقار کو زخمی کر چکیں گے تو اوپر سے دلائل کے ذریعے نمک چھڑکیں گے۔

آپ اسی "الفاظ کی گردان" کی پھبتی کو لیجیے! اسے جس طرح درُود کے کلمات پر چست کیا جا سکتا ہے اسی طرح کلمۂ طیبہ پر، اذان کے جملوں پر، نماز کے تمام الفاظ پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ اور قرآن کی دوسری سورتوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ پھر کیا ان میں سے ہر چیز کی اہمیت اور قدر و قیمت ختم ہو جائے گی۔

کلمۂ طیبہ ہو، نماز ہو، اذان ہو، قرأت ہو، دوسرے اذکار ہوں یا درود و صلوات ہو، اُن کو شریعت نے ہمارے معمول میں اس لیے داخل کیا ہے کہ جس طرح خیالات، جذبات اور احساسات پیدا ہو کر الفاظ میں ڈھلتے ہیں، اسی طرح جب کچھ متعین الفاظ کہے جاتے ہیں (بشرطیکہ وہ معنی کو جان کر اور غور و فکر کرتے ہوئے کہے جائیں، اور یہی ہے مطلوب شریعت) تو ان کو کہتے ہوئے وہ خیالات، جذبات اور احساسات ابھرتے ہیں جن کی ترجمانی ان الفاظ کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ مثلاً جیسے "تاج محل" کا تصور ذہن میں آتے ہی یہ لفظ بھی ابھر آتا ہے، اسی طرح جب ہم یہ لفظ بولتے ہیں یا کسی سے سنتے ہیں تو اس صورت میں تاج محل کا تصور بھی از خود نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ وہی نفسیاتی حقیقت ہے جس سے انسانیت نے ہمیشہ ـــ چاہے کوئی بھی نظام ہو ـــ کام لیا ہے۔ مثلاً بادشاہوں اور حکمرانوں اور مختلف عہدہ داروں کے لیے خاص موّدبانہ کلماتِ خطاب کا استعمال، قوم اور ملک کی عظمت کو نمایاں کرنے والے خاص الفاظ بولنا یا لکھ کے آویزاں کرنا، قومی ترانے کا گایا جانا، حلفِ وفاداری کے متعین الفاظ زبان سے ادا کرنا اور کرانا، وغیرہ۔ اسلامی نظامِ حیات میں اسی نفسیاتی حقیقت کی بنا پر "ذکر" کی مختلف واجب اور مستحب اقسام استوار ہیں۔ ہم جب نمازوں، اذانوں اور دعاؤں میں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات، اس کے دین کے اصولوں، اس کے نبیؐ کے مرتبے، آخرت کی فلاح، قرآن کی آیات وغیرہ کو بیان کرتے ہیں تو یہ اس لیے کرتے ہیں کہ بولے جانے والے الفاظ کی معنوی حقیقت ذہن میں ساتھ ساتھ ابھرے۔ ہم خدا سے اپنی وفاداری اور طاعت و عبودیت اور

اتباعِ رسالت کا بار بار پیمان اگر الفاظ میں باندھتے ہیں تو اس لیے باندھتے ہیں کہ اس پیمان کی حقیقت ہمارے قلوب کو منور کرتی جائے۔

یہ ہے وہ حقیقت جسے نہ جاننے کی وجہ سے کچھ حضرات خود راستہ گم کر چکے ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کر کے انہیں بھی ساتھ لے ڈوبنا چاہتے ہیں۔

اب لیجیے درود کی حقیقت! انسانی فطرت میں محسن کے لیے جذبۂ اعتراف پایا جاتا ہے اور یہ جذبہ ہمیشہ تحریک کرتا ہے کہ احسان کا جواب بقدرِ استطاعت احسان ہی سے دیا جائے۔ ایک بھٹکے ہوئے شخص کو جب کوئی راستہ دکھا دیتا ہے تو اس میں جذبۂ تشکر و سپاس ابھرتا ہے۔ اسی طرح خدا کے جس رسولؐ نے ایک مسلمان کو اس کے خدا سے ملا دیا ہو، اسے دنیا کی صداقتِ عظمیٰ کا علم دیا ہو، اسے زندگی بسر کرنے کی سیدھی راہ دکھا دی ہو، اسے اونچی اخلاقی قدروں سے بہرہ ور کیا ہو، اسے حلال و حرام کی تمیز سکھائی ہو، کیا اس احسانِ عظیم کے جواب میں آدمی میں اعتراف، سپاس اور تشکر کا کوئی جذبہ نہ ابھرنا چاہیے؟ لازماً ابھرنا چاہیے، اور نہ ابھرے تو گویا ایک بدبخت آدمی کی انسانی فطرت قطعی طور پر مسخ شدہ ہے۔ اس فطری جذبہ کے ظہور کے لیے شریعت نے جو راستے بتائے ہیں وہ یہ ہیں:-

— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور بے چون و چرا اطاعت اور آپ کے مشن کی زیادہ سے زیادہ خدمت۔

— آپ سے گہری محبت اور وابستگی اور آپ کا غیر معمولی احترام۔

— آپ کے احسان کا جواب احسان سے دینے کے لیے اپنی بیچارگی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے اس سے یہ دعا کرنا کہ اسے اللہ تو ہی اپنے خزانۂ رحمت سے آنحضورؐ کے احسان کا جواب دے۔

یہی تیسری چیز ہے جس کو "درود" کہتے ہیں۔

آخر "درود" کے اس تصور میں کونسی نامعقولیت ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا اسے ملائی ڈھکوسلا کہہ کر شور مچایا جاتا ہے۔ یہ صریحاً ایک فطری ضرورت ہے۔ اس فطری ضرورت کا راستہ بند کرنے سے پہلے انسانی نفسیات میں اصلاح کرنی پڑے گی۔

عربی زبان میں اصل لفظ صلوٰۃ کا استعمال ہوا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی اسی طرح متعدد ہیں جس طرح دنیا کی ہر زبان کے بے شمار مصادر کے ہوتے ہیں۔ لیکن وہی معنی لیے جاتے ہیں جو موقع استعمال کے لحاظ سے عربی جاننے والوں کے ذہن میں نچتے ہیں۔ پھر اس میں بھی کوئی بات انوکھی نہیں ہے کہ صلوٰۃ جب بندے کی طرف سے ہو تو اس کے اور معنی ہوں اور جب خدا کی طرف سے ہو تو اس کے دوسرے معنی لیے جائیں۔ اگر "تاب الی اللہ" کے معنی "رجع عن معصیتہ الیہ" ہونے کے ساتھ ساتھ اگر "تاب اللہ علیہ" کے معنی "غفر اللہ و رجع علیہ بفضلہ" ہو سکتے ہیں تو کیا بیچیدگی ہے اگر صلوٰۃ کے بندے کی طرف سے ہونے کے معنی دعائے رحمت کرنے کے ہوں اور صلوٰۃ کے اللہ کی طرف سے ہونے کے معنی اللہ کے رحمت فرمانے کے ہوں؟

ملاحظہ ہو البقرہ آیت ۱۵۷، "الذین اذا اصابتھم . . . اولٰئک علیھم صلوات من ربھم و رحمۃ" میں صلوٰۃ اور رحمت متقارب المعنی الفاظ کو حرف عطف سے جوڑا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ آیت ۱۶۱ "الذین کفروا و ماتوا . . . . اولٰئک علیھم لعنۃ اللہ . . . اجمعین" میں مقابل کے ایک گروہ کے لیے "لعنت" کا بیان آتا ہے معلوم ہوا کہ دونوں طرف دو متغائر پوزیشن کے گروہ ہیں۔ ایک کے لیے ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و رحمت ہے اور دوسرے کے لیے لعنت۔ کیا یہ موقع واضح نہیں کر دیتا کہ اللہ کی طرف سے صلوٰۃ ہو تو اس کا مفہوم رحمت نازل کرنا اور عنایت فرمانا ہوتا ہے۔ رہے ملائکہ اور انسان تو ان کے پاس تو خزائنِ رحمت ہیں نہیں کہ وہ رحمت بھیجیں اور عنایت فرمائیں وہ تو بہر حال رحمت کے خزانوں کے مالک ہی کے سامنے درخواست پیش کر سکتے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ دعا کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں۔

اب ایک چیز اور قابلِ حل رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک گروہ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ لفظِ صلوٰۃ کے معنی ہی غلط بنا دیے گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ لغت دیکھیے، شروع سے آج تک جو تفاسیر قرآن کی لکھی گئی ہیں ان پر نگاہ ڈالیے، پورے دینی لٹریچر کو کھنگالیے، احادیث کے دفتر چھانٹیے اور ان ساری شہادتوں سے معلوم کیجیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یا درود بھیجنے کے معنی اللہ تعالیٰ اور بندوں کی طرف سے کیا قرار پاتے

ہیں ؟ اب یہ گروہ لغت، تفسیر، حدیث، تعامل امت اور علماء دین کے سارے کے سارے لٹریچر کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ یہ تو اصل دین کے خلاف ایک سازش تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اتنی بڑی سازش جب بھی شروع کی گئی ہوگی تو آخر اس پر کوئی نہ کوئی احتجاج علماء کے کسی نہ کسی گروہ نے کیا ہوگا؟ کوئی سر پھٹول ہوئی ہوگی کہیں اختلافی بحثیں چھڑی ہونگی، تو پھر اس کے آثار کہیں نہ کہیں سے آپ کو ڈھونڈ کے لانے چاہئیں۔ یہی مظلوم درود "اللھم صل علیٰ محمد" تو خود نماز میں شامل ہے اور نماز سوسائٹی کے عملی تواتر سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ اگر یہ بھی مشتبہ ہو گئی تو عملی تواتر بھی سند نہ رہا اور عملی تواتر سند نہ رہا تو قرآن کی صحت کو کس دلیل سے ثابت فرمایئے گا! آپ کو ریسرچ کر کے یہ واضح کرنا چاہیے کہ کب تک نماز اس درود سے خالی اور اپنی اصلی حالت پہ قائم رہی، پھر کس وقت کونسے لوگ تھے جنہوں نے یہ پیوند اس میں لگایا؟ اس واقعہ پر امت میں کیا رد عمل ہوا؟

یا پھر کیا آپ اس سازش میں نعوذ باللہ خود صحابہ کرام کو بھی شریک کرتے ہیں؟ —— ہاں شاید یہ بات کہنے کی جرأت نہ ہو لیکن ذہن میں موجود معلوم ہوتی ہے۔ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں! اگر صحابہ کرام ہی کو اصل دین کا پتہ نہ چلا، یا پتہ چلا تو سہی، لیکن (نعوذ باللہ) اس میں تحریف کر ڈالی تو پھر تو سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ "اب کسے رہنما کرے کوئی!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی درکنار رکھ دیا، اس کے بعد صحابہ کرام، خلفائے راشدین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، فقہا، علماء سب کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا، احادیث، دینی لٹریچر اور تاریخی ریکارڈ کو سازش بنا ڈالا۔ تواتر امت کو مشکوک ٹھہرا دیا، تو اب مسلمان کدھر جائے!

ان باتوں پر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ یہ ہمارے دور کا ایک بڑا فتنہ ہے، کہ دین کی مسلمہ اور نہایت منقول اور واضح حقیقتوں کے بارے میں عام لوگوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر کے پھر کہا جاتا ہے کہ اصلی اور خالص دین تو صرف ہم سے مل سکتا ہے، ہم قرآن کا کھرا اور خالص دین پیش کرتے ہیں!